VOL- 9, ISSUE-1, 2025

Al-Safiir

https://al-safiir.com/index.php/Al-Safiir/About-the-Journal

2709-605X Online ISSN

2709-6041 Print ISSN

Protesters of "Aab-e-Hayat"

"آبِ حیات" کے معترضین

Dr. Aqsa Naseem Sindhu[1]
Assistant Professor Urdu Department, Government Sadiq College, Women University Bajawalpur
Dr. Zeenat Afshan[2]
Assistant Professor Urdu Department, Federal Urdu University Islamabad
Dr. Muhammad Khalid[3]
Latif Sahil, Assistant Professor Urdu Department, Lahore Leads University Lahore
Dr. Muhammad Rahman[4*]
Assistant Professor Urdu Department Hazara University Mansehra.
Corresponding Author Email: drmrehman75@gmail.com

Abstract
Maulana Muhammad Hussain Azad's book, "Aab-e-Hayat", is one of the few basic books in Urdu that remains a reference even in the era of clear changes in thought and outlook, new critical trends and new debates. This book falls into the category of memoirs. There is a general complaint about memoirs that they are short, garbled, and ambiguous and to a large extent rhymed, in which the brief description of the poets' life situations and a cursory and fleeting glance at their poetry are limited. These brief life situations and formal comments neither reflect the complete picture of their lives nor do they reveal the full colours of their poetry. Thus, this matter becomes a matter of personal likes and dislikes instead of literary criticism. A few lines of ghazals and poems are presented as samples and formal comments are made on them, such as (It is smooth, it is hot, it is bitter, etc.). This book, with its many virtues and few shortcomings, remains a necessity for Urdu speakers even today. This article mentions the researchers who objected to "Aab-e-Hayat".
Key Words: Maulana Muhammad Hussain Azad, "Aab-e-Hayat", critical trends, new debates, short, garbled, ambiguous, objected, literary criticism.

مولانا محمد حسین آزاد اردو ادب میں خاکہ نگار، نقاد، مضمون نگار، محقق اور شاعر کی کثیر الجہاتی حوالوں سے اپنی ایک منفرد پہچان رکھتے ہیں۔ اگر ہم "نیر نگ خیال" پر نظر ڈالیں تو ہم پر اسلوب کا ایک نیا جہاں آشکارا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح "آبِ حیات" بھی ایک تاریخی، تہذیبی، تمدنی اور خاکہ نگاری وغیرہ کے حوالوں سے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ "آبِ حیات" میں انھوں نے پہلی بار اردو زبان کے ماخذ کے بارے میں اپنا ایک منفرد نظریہ پیش کیا ہے۔ غرض آزاد کا اپنا ایک منفرد انداز ہے جس کی وجہ سے وہ "شاعرانہ نثر" کے اولین سر خیل گنے جاتے ہیں۔ وہ عربی، فارسی، سنسکرت اور بھاشا زبانوں کے جید عالم تھے۔

VOL- 9, ISSUE-1, 2025

Al-Safiir

https://al-safiir.com/index.php/Al-Safiir/About-the-Journal

2709-605X Online ISSN

2709-6041 Print ISSN

انگریزی زبان سے بھی واقف تھے، جس کا ثبوت "نیرنگ خیال" کے مضامین ہیں۔آزاد تراجم کی حیثیت سے اپنی ایک منفرد پہچان کے حوالے سے مشہور ہیں۔لسانیاتی حوالے سے آزاد کی ایک اور اہم تصنیف "سخن دانِ فارس" ہے جو ایرانی شعرا کے فارسی تذکرے پر مشتمل ہے۔اس طرح آزاد کی شخصیت میں وہ تمام اوصاف جمع تھے جو ایک عالم بے بدل کے لیے ضروری ہیں۔

محمد حسین آزاد کی تصانیف میں سے "آبِ حیات" کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔یہ کتاب اردو ادب میں حوالے کے طور پر مشہور ہے۔اس تحقیقی و تنقیدی کتاب میں آزاد کے لسانی نظریات کھل کر سامنے آتے ہیں۔اس طرح اس وقت کے شعرا کے دستیاب حالاتِ زندگی کا وافر ذخیرہ "آبِ حیات" میں موجود ہے۔"آبِ حیات" سے پہلے کئی تذکرے لکھے گئے لیکن وہ کسی نہ کسی لحاظ سے نامکمل اور غیر مؤثر رہے۔کسی میں شعرا کے حوالے سے معلومات میں گڑبڑ ہے تو کسی نے اپنے من پسند شعرا کو آگے اور اپنے حریفوں کو پیچھے کیا ہے۔یعنی اپنے دوستوں کی موقع بے موقع مدح سرائی کو اپنا شعار بنایا ہوا ہے۔کچھ تذکروں کے لکھنے والے بھی غیر معروف تھے۔یہ اور اس طرح کی بے شمار خامیاں ہیں جو "آبِ حیات" سے پہلے کے تذکروں کا خاصا رہی ہیں۔آزاد خود انہی تذکروں کے بارے میں "آبِ حیات میں رقم طراز ہیں:

> "اُن سے کسی شاعر کی زندگی کی سرگزشت کا حال معلوم ہوتا ہے، نہ اُس کی طبیعت اور عادات واطوار کا حال کھلتا ہے، نہ اُس کے کلام کی خوبی اور صحت و سقم کی کیفیت کھلتی ہے نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے معاصروں میں اُس کے کلام میں کیا نسبت تھی۔انتہا یہ ہے کہ سالِ ولادت اور سالِ فوت تک نہیں کھلتا۔(۱)"

"آبِ حیات" میں آزاد نے تمام تر دستیاب شعرا اور ان کی شاعری، عہد، زبان اور شاعر کے حالات کا تفصیلی تجزیہ کیا ہے۔اس لحاظ سے انھوں نے اس عہد کی بولتی چالتی تصاویر صفحۂ قرطاس پر ابھاری ہیں۔"آبِ حیات" کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ میرؔ، سوداؔ، دردؔ اور غالبؔ کا جو آج کل ڈھنکا بج رہا ہے وہ اسی وجہ سے ہے۔دوسرا یہ کہ اس عہد کے نسبتاً غیر معروف شعرا حاتمؔ، مظہرؔ، قائمؔ، جراتؔ، رنگینؔ، ضاحکؔ وغیرہ کا تو اب تک کسی کو معلوم ہی نہ ہوتا۔اسی تذکرے ہی کی وجہ سے ناقدینِ ادب کو متقدمین کے حالات اور اُن کے عہد سے دلچسپی پیدا ہوئی۔اس طرح متاخرین پر بھی اس تذکرے کے نمایاں اثرات عیاں ہیں۔اس حوالے سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "آبِ حیات" نے تذکرہ نویسی کی بھی ایک نئی راہ نکال دی۔صغیر بلگرامی کا تذکرہ "جلوہ خضر" اور حکیم عبدالحئی کا تذکرہ "گل رعنا" دیکھیے۔دونوں پر آبِ حیات کا پرتو صاف نظر آئے گا۔خواجہ عبدالرؤف عشرت کے تذکرے "آبِ بقا" کا تو نام ہی بتا رہا ہے کہ اُس پر " آبِ حیات" کا کتنا اثر ہے۔(۲)"

"آبِ حیات" کی ایک اور بڑی اور سب سے اولین حیثیت یہ ہے کہ اس میں اردو زبان کی تاریخ پہلے پہل پیش کی گئی ہے۔اگرچہ بعد میں ادب کی تاریخی حیثیت کو کئی کتابوں میں پیش کیا گیا لیکن "آبِ حیات" کی حیثیت اولین ہی کی رہے گی۔اسی طرح اس تذکرے میں یہ نقطہ بھی پہلی بار اٹھایا گیا ہے کہ اردو میں فارسی انشاء پردازی کے استعمال نے جتنا نقصان پہنچایا ہے کسی وہ اور نے شاید نہیں پہنچایا۔اردو نثر پاروں میں سادگی اور اصلیت ہونی چاہیئے۔ایک اور بات جو اس تذکرے میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اردو عبارت میں برج بھاشا کی سادگی اور فطری پن نے ایک نیا پن پیدا کیا ہے اور یوں اردو میں سلاست اور سادگی آگئی ہے۔

اردو شاعری میں بھی "آبِ حیات" نے خصوصاً اردو غزل کے نقائص پر گہری نظر رکھی ہے اور اس کا حل بتایا ہے۔ایک جگہ آزاد لکھتے ہیں:

> "یہ اظہارِ قابلِ افسوس ہے کہ ہماری شاعری چند معمولی مطالب کے پھندوں میں پھنس گئی ہے۔یعنی مضامین عاشقانہ، میخواری، مستانہ، بے گل و گلزار وہی رنگ و بو کا پیدا کرنا، ہجر کی مصیبت کا رونا، وصل موہوم پر خوش ہونا، دنیا سے بے زاری، اس میں فلک کی جفا کاری۔اور غضب یہ ہے کہ اگر کوئی اصل ماجرا بیان کرنا چاہتے ہیں۔تو بھی خیال استعاروں میں ادا کرتے ہیں۔نتیجہ جس کا یہ کہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔(۳)"

VOL- 9, ISSUE-1, 2025

Al-Safiir

https://al-safiir.com/index.php/Al-Safiir/About-the-Journal

2709-605X Online ISSN

2709-6041 Print ISSN

شاعری کے حوالے سے آزاد کے خیالات یہ ہیں کہ شاعری محض تفریح طبع کے لیے نہ ہو بلکہ اس سے سماجی اور سیاسی نظام کی اصلاح یا تبدیلی کا کام بھی لیا جا سکتا ہے۔اس بات کو آزاد نے اپنے مخصوص شاعرانہ اور لازوال اسلوب سے اس طرح بیان کیا ہے۔وہ ولی کے کلام کی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگرچہ اس اعتبار سے یہ نہایت خوشی کا موقع ہے کہ عمدہ جوہر انسانیت پسندیدہ لباس پہن کر ہماری زبان میں آیا مگر اس کوتاہی کا افسوس ہے کہ کوئی ملکی فائدہ اس سے نہ ہوا۔اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کسی علمی یا آئینی راستے سے نہیں آیا بلکہ فقیرانہ شوق یا تفریح کی ہوا سے اڑ کر آگیا تھا۔کاش شاہ نامے کے ڈھنگ سے آتا، کہ محمد شاہی عیاشی اور عیش پرستی کا خون بہاتا اور اہلِ ملک کو پھر تیموری اور بابری میدانوں میں لاڈالتا۔یا تہذیب و شائستگی سے اکبری عہد کو پھر زندہ کر دیتا۔(۴)"

چوں کہ آزاد اردو ادب کے بے مثال و بے بہا و پر شکوہ اسلوب کے مالک ہیں۔وہ اپنے عہد کی نثر کے چٹیل و پر پیچ میدانوں میں اپنی مخصوص زبان کے جھنڈے گاڑھ رہے ہیں۔ان کا اسلوب انھی کا خاصہ رہا ہے۔وہ اپنے بے مثال اسلوب کے باعث اپنی ایک خاص پہچان رکھتے ہیں۔اسی اسلوب کی ایک خوب صورت مثال ملاحظہ ہو:

"اس زبان کے رنگ میں اُن کی رفتار، گفتار، اوضاع، اطوار بلکہ اُس زمانہ میں چال چلن ہمیشہ پیش نظر تھے، جس میں انھوں نے زندگی بسر کی اور کیا سبب ہوئے کہ اس طرح بسر کی۔اُن کے جلسوں کے ماجرے اور حریفوں کے وہ معرکے جہاں طبیعتوں نے تکلف کے پردے اٹھا کر اپنے اصلی جوہر دکھا دیئے،ان کے دلوں کی آزادیاں، وقتوں کی مجبوریاں، مزاجوں کی شوخیاں، طبیعتوں کی تیزیاں، کہیں گرمیاں، کہیں نرمیاں، کچھ خوش مزاجیاں، کچھ بے دماغیاں، غرض یہ سب باتیں میری آنکھوں میں اس طرح عبرت کا سرمہ دیتی تھیں، گویا وہی زمانہ اور وہی اہل زمانہ موجود ہیں(۵)"

اوپر کے اقتباس میں آزاد کی شعلہ بیانی اور رنگین نثر کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔وجہ یہ ہے کہ آزاد اپنی تمثیل نگاری کے لیے مشہور تھے۔انھوں نے اس عہد کی ایسی بولتی چالتی تصویر کشی کی ہے کہ ہم بے اختیار عش عش کر اٹھتے ہیں۔اس حوالے سے ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

"آزاد نے اس سماں کی تصویر لفظوں میں اس طرح کھینچ دی ہے کہ وہی زمانہ اور وہی اہلِ زمانہ ہماری نگاہوں کے سامنے آموجود ہوتے ہیں۔ہم جس عہد کا حال پڑھتے ہیں اُس عہد میں پہنچ جاتے ہیں۔اُس کے مشاعروں اور دوسری ادبی صحبتوں میں شرکت کرتے ہیں۔اُس عہد کے ممتاز شاعروں کو چلتے پھرتے، ہنستے بولتے دیکھتے ہیں،اُن کی زبان سمجھتے ہیں،اُن سے باتیں کرتے ہیں۔اُن کا مزاج پہچان لیتے ہیں۔اُن کی خوشی اور غم میں شریک ہو جاتے ہیں۔ تصویر کشی اور انشاء پردازی کا یہ کمال اردو کے کسی اور مصنف کو بھی نصیب ہوا ہے؟۔(۶)"

یہی آزاد کا کمال ہے کہ انھوں نے "آبِ حیات" جیسی بیش بہا تصنیف پیش کر دی اور اس عہد کے شاعروں کے حالات سامنے لا کر کمال کر دیا۔اس تذکرے میں معلومات کا وہ انبار بیان کر دیا گیا ہے کہ ان ادبی دفینوں کو تلاش کو آسان بنا کر پیش کیا ہے۔اس سے ممکن ہے کہ آزاد نے اس تحقیق میں اگرچہ کچھ غلطیاں بھی کی ہیں لیکن یہ آٹے میں نمک کے برابر ہو سکتی ہیں۔

"آبِ حیات" کے چھپتے ہی آزاد کے مخالفین نے اس پر تنقیص اور نکتہ چینیاں کیں۔انھوں نے آزاد کی انشاءپردازی پر اعتراض اٹھایا اور اس طرح اس تصنیف کو بلاجواز قرار دینے کی بھرپور کوشش کی۔ان صاحبان میں کچھ ایسے نومولود لکھاری بھی تھے جو کسی بھی طرح آزاد کی ادبی شخصیت کی راکھ کو

VOL- 9, ISSUE-1, 2025

Al-Safiir

https://al-safiir.com/index.php/Al-Safiir/About-the-Journal

2709-605X Online ISSN

2709-6041 Print ISSN

بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔ یہ لوگ آزاد کے منہ کو آنے لگے۔ اس حوالے سے آزاد کے بیانیے کے حوالے سے غلط فہمیاں پھیلائی جانے لگیں۔ پہلا اعتراض یہ تھا کہ آزاد نے ولی دکنی کو ایک جگہ " نظم اردو کی نسل کا آدم" اور ایک جگہ "بنی نوع شعراء کا آدم" کہا ہے یعنی اردو کا پہلا شاعر کہا ہے۔ تو اعتراض یہ لگایا گیا کہ کیا آزاد اس حقیقت سے ناواقف تھے ؟ کہ ولیؔ سے پہلے بھی دکن میں کئی شاعر گزر چکے تھے۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ آزاد نے ان کو پہلا شاعر اس لحاظ سے کہا ہو گا کہ ان کے بعد ہی اردو شاعری کو وہ کمال اور عروج ملا۔ ورنہ ولیؔ سے پہلے تو کسی نے ایسی عمدہ اور بہترین شاعری شاید ہی کی ہو گی۔ اسی طرح ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ آزاد نے مرزا مظہر جانِ جاناں کو ایک صوفی شاعر قرار دیا ہے جب کہ وہ ایسے نہ تھے۔ تو اس حوالے سے مرزا مظہر جانِ جاناںؔ کے اپنے فارسی کلام سے ان کے اپنے بیٹے سے تصور کے بارے میں بات چیت سے اندازہ ہو جاتا ہے۔ جب کہ مرزا مظہر جانِ جاناں نے خود کو بطور ایک صوفی شاعر چھپانے کی کوشش کی ہے اور اپنے کلام میں جا بجا اس بات کا اعادہ بھی کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کو بہ حیثیت ایک رند شاعر تو سب نے بیان کیا ہے۔ اس حوالے سے چند مثالیں یہ ہیں۔

بقول مرزا علی لطف

"حسن پرستی دل بستگی سے رغبت تمام رکھتے تھے اور عشق حقیقی و مجازی سے کام۔(۷)"

بقول منشی عبدالکریم

"وہ حسین آدمی کو بہت چاہتا تھا۔(۸)"

اسی طرح "خوش معرکہ زیبا" کے ایک قلمی نسخے میں سعادت خان ناصؔح یوں رقم طراز ہیں:

"مرزا کی محبت میں راز و نزار تھا۔(۹)"

اوپر کے اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگرچہ دیگر تذکرہ گوؤں نے مرزا کے ساتھ اُس طرح کا انصاف نہیں کیا جس طرح آزاد نے عزت و احترام سے پیش کیا۔ اب اس میں آزاد کی کیا غلطی ہے؟ یہ اعتراض سراسر بدگمانی اور بدنیتی پر مبنی ہے۔

آزاد پر ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انھوں نے میرؔ کے والد صاحب کا نام میر عبد اللہ لکھا ہے جب کہ میرؔ نے خود اپنی خود نوشتہ سوانح عمری "ذکرِ میرؔ" میں اپنے والد کا نام میر علی متقی لکھا ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ شاید "ذکرِ میرؔ" آزاد کی نظر سے نہیں گزری ہو گی۔ البتہ یہ ہے کہ "آبِ حیات" کی تصنیف سے پہلے تین تذکروں تذکرہ "خوش معرکہ زیبا" از ناصر، تذکرہ "سخن شعرا" از عبدالغفور نساخ اور "سراپا سخن" از محسن میں میرؔ کے باپ کا نام میر عبداللہ ہی درج تھا۔ اس میں آزاد کی کیا غلطی ہو سکتی ہے ؟

آزاد کی تائید بابائے اردو مولوی عبدالحق نے بھی اپنے متعدد بیانات سے کی ہے۔ مولوی حبیب الرحمان شیروانی جو کلام میر کے معروف ناقد ہیں اور انھوں نے میرؔ کے تذکرے "نکات الشعرا" کا مقدمہ بھی لکھا ہے۔ انھوں نے بھی آزاد کے حوالے سے کئی جگہ اعتراضات اٹھائے ہیں۔ میر تقی میرؔ کو نہایت پاک مشرب، مودب و مہذب، زندہ دل، یار باش اور منکسر المزاج ثابت کرنے پر تلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حالاں کہ اس سے پہلے متعدد تذکروں میں ان کی باقی تو ساری خوبیاں تو درج ہیں لیکن ان کو "منکسر المزاج" کسی بھی تذکرہ نگار نے نہیں کہا۔ اس حوالے سے ان کا اپنا بیان "ذکر میر" میں یہ ہے کہ

"ہے نام مجلسوں میں میرا میرے دماغ پر"

اس طرح مولوی عبدالحق نے بھی مقدمہ دیوان میرؔ میں اسی بات کا ذکر کیا ہے کہ وہ بے دماغ اور نک چڑھے تھے جب کہ قدرت اللہ قاسم کے بقول ایک محفل مشاعرہ میں انھوں نے جرأت دہلوی کے بار بار اصرار پر کہا کہ "تم شعر تو کہنا جانتے نہیں ہو، اپنی چوما چاٹی کیا کرو"۔ احد علی خان یکتا نے اپنی کتاب "دستور الفصاحت" میں میرؔ کو بے دماغ اور بدتمیز ثابت کیا ہے۔ شیخ غلام ہمدانی مصحفی نے بھی اپنی کتاب "عقد ثریا" میں میرؔ کے متعلق یہ رائے دی ہے۔ سعادت خان ناصر لکھنوی نے اپنے تذکرے "خوش معرکہ زیبا" میں میرؔ اور شاہ قدرت اللہ کے حوالے سے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ جب انشاء صاحب نے ایک دفعہ کشتی رانی کے دوران انھیں اپنے دیوان سے چند غزلیں سنائیں تو میر نے تنگ آکر کہا کہ " بہتر یہ ہے کہ تم اپنا دیوان اسی دریا میں بہا دو"۔ نواب

VOL- 9, ISSUE-1, 2025

Al-Safiir

https://al-safiir.com/index.php/Al-Safiir/About-the-Journal

2709-605X Online ISSN

2709-6041 Print ISSN

عماد الملک کے ساتھ بھی میرؔ نے یہی کیا کہ اپنے چند قصیدے پڑھ کر داد چاہی، لیکن میرؔ نے کہا آپ کا کلام ربط و یابس سے پُر ہے۔ میرؔ صاحب ایک اور شاعر کے ہاں مہمان تھے۔ اُس شاعر نے فرمائش کی مجھے اپنا کلام سنا دیں میرؔ نے بے تامل جواب دیا کہ تمہاری صورت سے سخن ظاہر نہیں ہوتی۔ پھر اپنا کلام سنانے کا کیا فائدہ۔ ایک دفعہ میر سوز نے میرؔ کی موجودگی میں اپنی دو تین غزلیں سنائیں۔ جس پر نواب آصف الدولہ نے خوب داد دی۔ میرؔ سے یہ برداشت نہ ہو سکا اور کہا کہ آپ کو اپنی دلیری پر شرم نہیں آتی؟ یوں بے چارے میر سوز کی بے جا عزت کم کرنے کی کوشش کی۔ اوپر کی تمام مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ میرؔ کی جیسی تصویر آزاد نے پیش کی ہے، میرؔ ہو بہو وہی تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ میرؔ اپنے علاوہ کسی اور کو شاعر ماننے پر بمشکل ہی تیار ہوتے تھے۔

حبیب الرحمان شیر وانی صاحب مرزا مظہر جانِ جاناں کے حوالے سے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آزاد نے مرزا مظہر جانِ جاناں کے بارے میں ان کے خدوخال کو غلط بیانی سے پیش کیا ہے۔ حالاں کہ آزاد سے پہلے میرؔ، شاہ عبداللہ، غلام علی، مرزا سودا، اسلام اللہ خان اور مولوی ثناء اللہ پانی پتی نے بھی مرزا صاحب کے بارے میں یہی لکھا جو آزاد نے لکھا ہے۔ اس طرح ان صاحب (شیر وانی) کا یہ بھی اعتراض ہے کہ آزاد نے میرؔ کے مزاج کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کے مزاج میں شورش کی وجہ سے ہرزہ گوئی آ گئی تھی۔ اور اس زمانہ میں "اژدر نامہ" لکھ کر خود کو اژدہا اور دیگر شاعروں کو حشرات الارض قرار دیا تھا۔ اس حوالے سے بھی حقیقت یہی ہے کہ میرؔ کو جوانی میں بے دماغی کی بیماری لگی تھی۔ اس لیے اس حوالے سے اعتراض کی گنجائش نہیں بنتی۔

ایک اور معترض مرزا فرحت اللہ بیگ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ آزاد کے بقول سید انشاء اللہ خان انشاء آخری عمر میں مجنون ہو گئے تھے، اور حقیقت بھی یہی ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ بقول یکتا لکھنوی (جو انشاء کے ہم عصر تھے) وہ آخر میں مجنون ہوئے تھے اور اسی میں انتقال کیا۔ ذوق اور غالب کے حوالے سے بھی متعدد شعراء نے آزادؔ پر اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے ذوق کو غالب پر فوقیت دی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ آزاد ذوق کے شاگرد تھے، اور شاگرد کی اپنے استاد سے محبت لاشعوری ہوتی ہے۔ ذوق کے کلام کے بارے میں آزاد کے الفاظ یہ ہیں:

"غزلوں کے دیوان کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ عام جوہر اُن کے کلام کی تازگی مضمون، صفائی کلام، چستی ترکیب، خوبی محاورہ اور عام فہمی ہے۔۔۔ اُن کے بعد شیخ مرحوم (یعنی ذوق) کے سوا کسی اس پر قلم نہیں اٹھایا اور انھوں نے مرقع کو ایسی اونچی محراب پر سجایا کہ جہاں کسی ہاتھ نہیں پہنچتا۔(۱۰)"

جب کہ غالب کے بارے میں آزاد نے "آبِ حیات" میں یوں لکھا ہے:

"وہ کیسی طبع خداداد لایا ہو گا جس نے اُس کی فکر میں یہ بلندی، دماغ میں معمہ آفرینی، خیالات میں ایسا انداز، لفظوں میں نئی تراش اور ترکیب میں انوکھی روش پیدا کی۔ (۱۱)"

غالب کے بارے میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"جس قدر عالم میں مرزا کا نام بلند ہے اُس سے ہزاروں درجے عالمِ معنی میں کلام بلند ہے۔(۱۲)"

اسی طرح غالب کی مدح سرائی کرتے ہوئے ایک اور جگہ یوں لکھتے ہیں:

"دو باتیں اُن کے انداز کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں۔ اول یہ کہ معنی آفرینی اور نازک خیالی اُن کا شیوہ خاص تھا۔ دوسرے چوں کہ فارسی کی مشق زیادہ تھی اور اس سے انھیں طبعی تعلق تھا اس لیے اکثر الفاظ اس طرح ترکیب دیئے جاتے تھے کہ بول چال میں اس طرح بولتے نہیں لیکن جو شعر صاف صاف نکل گئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ جواب نہیں رکھتے۔(۱۳)"

کیا غالبؔ کے بارے میں اس سے بہتر کوئی رائے ہو سکتی ہے؟

البتہ یہ ہے کہ چوں کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ آزاد اپنے استاد کی جا و بے جا تعریف کرنے میں کوئی تامل نہیں کرتے تھے، اس لیے انھوں نے شاگردی کا پورا پورا حق ادا کرنے بلکہ کچھ زیادہ ہی ادا کرنے کی سعی کی۔ نہ صرف یہ کہ انھوں نے ذوقؔ کو غالبؔ بلکہ اس زمانے کے ہر شاعر پر فوقیت دی ہے۔ اگرچہ اس

VOL- 9, ISSUE-1, 2025

Al-Safiir

https://al-safiir.com/index.php/Al-Safiir/About-the-Journal

2709-605X Online ISSN

2709-6041 Print ISSN

حوالے سے بھی بیش تر ناقدین اور شعرا نے آزاد کی تائید کی ہے اور ہر جگہ ذوقؔ کی مدح سرائی میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے ہیں لیکن یہ بات آج کا ناقد کس طرح قبول کرے گا؟

اس نکتے پر کسی طرح بھی ہم آزاد کے ہم نوا نہیں بن سکیں گے۔ غالبؔ تو اُس زمانے کی شاعری پر حقیقتاً غالب تھا۔ اس کی عظمت تک ذوق کیا کوئی بھی بڑے سے بڑا غزل گو شاعر شاید ہی پہنچ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ آزادؔ یا اُن کے ہم نوا جتنے بھی نقاد ہیں وہ شاید اس میدان میں مار کھا جائیں۔ ذوق کو ہم ایک نمایاں قصیدہ گو تو کہہ سکتے ہیں لیکن غزل کے میدان میں غالب تو کیا، غالب کے علاوہ بھی ذوقؔ سے اچھے اچھے شاعر موجود ہیں۔

آزاد نے "آبِ حیات" میں یہ بھی بتایا ہے کہ ذوقؔ شاہ کا اتالیق تھا اور وہ چوں کہ ۱۸۵۶ء میں فوت ہو چکا تھا۔ جب کہ بہادر شاہ ظفر تو دیر سے فوت ہوئے اس لیے یہ بھی ممکن ہے کہ ذوق کا بہت سارا کلام ظفر کے کلام میں چلا گیا ہو۔ حالاں کہ اس بات میں کوئی بھی جزوی صداقت ممکن نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذوقؔ کا کلام آزادؔ نے خود مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ پھر اس شک کی کیا تک ہے؟

ان تمام مثالوں سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ "آبِ حیات" کے حوالے سے مستثنیات کو چھوڑ کر جتنے بھی اعتراضات ہیں وہ زیادہ تر بد گمانی، کم علمی اور تنگ نظری کا نتیجہ ہیں۔ یہ نکتہ بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ "آبِ حیات" کے پائے کی تصنیف شاید ہی اردو ادب میں ممکن ہو سکے۔ اس کے تاریخی، تحقیقی، تہذیبی اور خاکہ نگاری کی خوبیوں سے صرفِ نظر کرنا ناممکن ہے۔ اگرچہ آزاد خود بھی ان معترضین سے باخبر تھے اور ایک جگہ "دربارِ اکبری" میں ان کا نام لیے بغیر لکھتے ہیں:

> "آزاد بھی ایسے ہی بے لیاقت، بد اصالت حاسدوں کے ہاتھ سے داغ داغ بیٹھا ہے۔۔۔ یہ نااہل خود کچھ کر نہیں سکتے اوروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتے ہیں اور مورچے باندھتے ہیں۔ خیر آزاد بھی پروا نہیں کرتا، اپنے تئیں خدا کے اور انھیں زمانے کے حوالے کر دیتا ہے۔ اُن کے اعمال ہی اُسے سمجھ سمجھا لیتے ہیں۔(۱۴)"

اس سے اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ "آبِ حیات" نے جہاں ممتاز شعرا کو حیاتِ جاودانی بخشی ہے وہاں آزاد کو بھی شہرت عام اور بقائے دوام بخشی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد حسین آزاد، آبِ حیات، علم و عرفان پبلشرز، اردو بازار لاہور، بار ششم، ۲۰۱۵ء، ص ۲۴

۲۔ پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب، کتاب نگر، دین دیال روڈ، لکھنؤ ۱۹۵۳ء، ص ۱۳

۳۔ محمد حسین آزاد، آبِ حیات، ص ۳۵

۴۔ ایضاً، ص ۵۵

۵۔ ایضاً، ص ۷۵

۶۔ پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب،، ص ۱۸

۷۔ مرزا علی لطف، گلشن ہند، ایجوکیشنل پبلشرز، نئی دہلی، انڈیا، س ن، ص ۳۷

۸۔ منشی عبدالکریم، طبقات شعرائے ہند، ایجوکیشنل پبلشرز، نئی دہلی، انڈیا، ص ۲۲

۹۔ سعادت خان ناصر (نسخہ غیر مطبوعہ) مملوکہ جبار شاکر، لاہور، ص ۱۳۳

۱۰۔ محمد حسین آزاد، آبِ حیات، ص ۱۷۱

۱۱۔ ایضاً، ص ۳۰۳

۱۳۔ ایضاً، ص ۳۱۶، ۳۱۵

۱۴۔ محمد حسین آزاد، دربارِ اکبری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص ۲۰۴